مولانا نصیر احمد قاسمی
ریسرچ اسکالر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا

عورت اسلام کے آئینے میں

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی نسل کی ابتداء حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام سے کی، کائنات کے سب سے پہلے مرد اگر حضرت آدم علیہ السلام ہیں، تو عورتوں میں سب سے پہلی عورت حضرت حوا علیہما السلام ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے، ''یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء'' (نساء/۱)۔

ترجمہ: اے لوگو، اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جاندار (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا، اور اس جاندار سے اس کا جوڑا (یعنی ان کی زوجہ حوا کو) پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے، ''اے لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو''۔ (حجرات/۱۳)۔

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا، کہ بنی نوع انسان ایک مرد و عورت سے مرکب ہے، دونوں کی زندگی ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہے، اور زندگی کا سفر کسی ایک کے بغیر کرنا اتنا ہی مشکل ہے، جتنا کہ دو پہیا گاڑی کا ایک پہیا کے سہارے اپنی مسافت کو طے کرنا، اس لحاظ سے دونوں کا ساتھ چولی دامن کا ہے، مگر اہل زمانہ کی ستم گری کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صنف نازک پر مظالم و مصائب کے جو پہاڑ ڈھائے گئے، وہ اپنی داستان آپ ہے۔

نبی کریم کی بعثت سے قبل وہ ایک منحوس ذات سمجھی جاتی تھی، اس کی ولادت کو باعث شرم و عار سمجھا جاتا تھا، جس کی منظر کشی قرآن کریم نے اس ارشاد سے کی، '' واذا بشر احدھم بالأنثیٰ ظلّ وجھہ مسودا وھو کظیم، یتوٰریٰ من القوم من سوء ما بشر بہ ایمسکہ علی ھون أم یدسّہ فی التراب ألا ساء ما یحکمون ''۔ (سورہ نحل/۵۸، ۵۹)۔ ترجمہ: اور جب ان میں کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خبر دی جائے، تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے، اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے، (اور) جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے، (تولد دختر) اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے، آیا اس کو ذلت پر لئے رہے، یا اس کو مٹی میں گاڑ دے، خوب سن لو، ان کی یہ تجویز بہت بری ہے۔ (معارف القرآن ج ۵، ص ۳۵۵)

اس آیت کریمہ میں کفار عرب کی اس خصلت پر مذمت کی گئی ہے کہ وہ اپنے گھر میں لڑکی کی پیدا ہونے کو اتنا

برا سمجھتے ہیں کہ شرمندگی کے سبب لوگوں سے چھپتے پھریں، اور اس سوچ میں پڑ جائیں کہ لڑکی پیدا ہونے سے جو میری ذلت ہو چکی ہے، اس پر صبر کروں یا اس کو زندہ درگور کر کے پیچھا چھڑاؤں، گویا ولادت کے بعد ان کے ساتھ انسانیت کو شرمسار کرنی والی گھناؤنی حرکت انجام دی جاتی تھی، اور وہ گھناؤنی حرکت کسی غیر سے نہیں، بلکہ خود اپنے ماں باپ سے سرزد ہوتی تھی، چنانچہ مولانا مودودی صاحب آیت قرآنی ''واذا الموءودۃ سئلت بای ذنب قتلت '' کے تحت رقمطراز ہیں: ''اس آیت کے انداز بیان میں ایسی شدید غضبناکی پائی جاتی ہے، جس سے زیادہ سخت غضبناکی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، بیٹی کو زندہ گاڑنے والے ماں باپ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسے قابل نفرت ہوں گے، کہ ان کو مخاطب کر کے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم کو کیوں قتل کیا، بلکہ ان سے نگاہ پھیر کر معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ تو بے چاری کس قصور میں ماری گئی، اور وہ اپنی داستان سنائے گی، کہ ظالم ماں باپ نے اس کے ساتھ کیا ظلم کیا''۔ (تفہیم القرآن ج ۶، ص ۲۶۴)۔

اس آیت کریمہ کے ذریعہ اہل عرب کو یہ احساس دلایا گیا کہ وہ اخلاقی پستی کے کس انتہاء پر پہونچ چکے ہیں کہ وہ اپنی ہی اولاد کو اپنے ہی ہاتھوں زندہ درگور کرتے ہیں، اور پھر ستم بالائے ستم کہ انہیں پھر بھی شدید اصرار ہے کہ وہ اپنی اسی جاہلیت پر قائم رہیں گے، اور اس اصلاح کو قبول نہ کریں گے، جو جناب رسول اکرم ﷺ ان کے بگڑے ہوئے معاشرے کے حوالے سے کرنا چاہتے تھے۔ اہل عرب میں یہ گھناؤنی حرکت کئی وجوہ سے رائج ہو چکی تھی، پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ معاشی خستہ حالی سے دوچار تھے، جس کی وجہ سے وہ چاہتے تھے کہ کھانے پینے والے کم ہوں اور اولاد کی پرورش و پرداخت کا باران پر زیادہ نہ پڑے، لیکن بیٹوں کی تربیت اور پرورش اس امید سے کی جاتی تھی کہ بعد میں وہ حصول معیشت میں ہاتھ بٹائیں گے، اور بیٹیوں کو ہلاکت کے منہ میں اس بناء پر دھکیل دیا جاتا تھا کہ جوانی تک ان کو پالنے پوسنے کی مشقت برداشت کرنے کے بعد بیاہ دینا ہوگا۔

دوسری وجہ اس رسم بد کی یہ تھی کہ معاشرے میں بدامنی عام تھی، جس کی وجہ سے اہل عرب بیٹوں کی پرورش اس لئے کرتے تھے کہ جس کے جتنے زیادہ بیٹے ہوں گے، اس کے اتنے ہی زیادہ حامی و مددگار رہوں گے، اور اس کے برعکس بیٹیوں کی پرورش اس لئے ناقابل برداشت تھی کہ قبائلی جنگوں میں ان کی حفاظت کرنی پڑے گی، اور وہ دفاع میں ان کے کام نہ آئیں گی۔

تیسری وجہ بدامنی ہی کا ایک دوسرا پہلو تھا کہ دشمن قبیلے جب ایک دوسرے پر اچانک چھاپے مارتے تھے، تو جو لڑکیاں ان کے ہاتھ آجاتی تھیں، وہ یا تو ان کو لے جاکر لونڈیاں بنا کر رکھتے تھے یا کہیں بیچ ڈالتے تھے۔

دور جدید کے مشہور مفکر اور فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دختر کشی کے اس گھناؤنے جرم کے بارے میں لکھتے ہیں: ''دراصل عرب اپنے گھر میں داماد لانے کو شرم و عار کی بات سمجھتے تھے، اسی لئے بیٹی کی پیدائش کا نام سنتے ہی

مارے غصہ کے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا تھا، اور وہ لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا تھا، اس کے سامنے دو ہی راستے ہوتے تھے ، یا تو وہ اس متاع رسوائی کو اپنے پاس رکھے یا اس کو منوں مٹی کے نیچے دفن کردے"۔ (شمع فروزاں، ص ۱۹۵)۔

اگرچہ عرب سماج میں ایسے کچھ افراد ضرور تھے، جن میں شرافت نفس پائی جاتی تھی، وہ بے گناہ نومولود بچیوں کو لے جاکر ان کی پرورش و پرداخت کرتے، ان کی جوانیاں ان ہی کے پاس پروان چڑھتیں، بعد میں ان کے والدین اگر چاہتے، تو انہیں ان کی بچیاں واپس کردی جاتیں، لیکن یہ محض شخصی کوششیں ہوا کرتی تھیں، جو عربوں کے ذہن سے اس شرم وعار کو مٹادینے میں بارآور نہیں ہو پائیں، کہ دامادی رشتہ کسی بھی طرح سے ذلت وحقارت کی چیز نہیں ہے۔

ان نادانوں کو کون سمجھائے کہ یہی دامادی رشتہ ان کے وجود کا پس منظر ہے، ان کے آباء واجداد کسی کے داماد نہ بنے ہوتے، تو ان کا بھی کوئی نام ونشان نہیں ہوتا۔

خود عورت ذات کے اندر جو اخلاقی، معاشرتی اور فکری گمراہیاں در آئی تھیں، وہ اپنے آپ میں خود انسانیت کو شرمسار کرنے اور معاشرت کی بدترین مثال تھی، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں مجمع عام میں کھلے طور پر بے حجاب نکلا کرتی تھیں، اور اپنے جسم کا مخفی سے مخفی حصہ عوام الناس کو دکھانے میں عار نہ سمجھتی تھیں، ازدواجی زندگی کے متعلق ان کے پاس نہ کوئی قاعدہ موجود تھا، نہ ہی محرم اور غیر محرم عورتوں کی تمیز کے لئے کوئی صاف آئین منضبط تھا۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی حالت زار پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جاہلی معاشرے میں عورت کے ساتھ ظلم وبدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی، اس کے حقوق پامال کئے جاتے ، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے، وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کرسکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی۔۔۔ لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انھیں زندہ درگور کرنے کا بھی رواج تھا"۔ (اسلام میں عورتوں کے حقوق، ص ۲۸)

ایسے حالات میں جب دین اسلام کا سورج عرب کی سرزمین میں طلوع ہوتا ہے، تو اس نے روز اول ہی سے صنف نازک کو معاشرتی، آئینی، عائلی اور ملی حقوق سے نوازا، عورت کو سماج میں مقام کی بلندی، معاشرہ کی تعمیر میں صلاحیتوں کو بروئے کار لانے، اس کیلئے فعال اور مؤثر کردار ادا کرنے اور عورت کے وجود کی مستقل حیثیت دین اسلام ہی کی دین ہے

یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ اس نے نہ صرف عرب سے اس انتہائی سنگدلانہ رسم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، بلکہ اس تخیل کو بھی مٹادیا کہ بیٹی کی پیدائش کوئی حادثہ اور مصیبت ہے، جسے بادل ناخواستہ برداشت کیا جائے، اسلام کی تعلیم ہے کہ بیٹیوں کی پرورش کرنا، انہیں عمدہ تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنا اور انکو اس قابل بنانا کہ وہ اچھی گھر والی بن سکیں، ایک بہت بڑا نیکی کا کام ہے، آپ ﷺ نے عرب کے اس عام تصور کو جس انداز سے بدلا ہے، اسکا صحیح ادراک آپ ﷺ کے ارشادات سے ہوتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے،" جو شخص ان لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا

جائے، اور پھر وہ ان سے نیک سلوک کرے، تو یہ اس کیلئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی'' (بخاری ج۲،ص۸۸۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہے، ''جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی، یہاں تک وہ بالغ ہوگئیں، تو قیامت کے روز میرے ساتھ وہ اس طرح آئے گا، یہ فرما کر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر بتایا''۔ (مشکوۃ،ص۴۲۱)۔

بیوہ اور مطلقہ عورت کے بارے میں آپ ﷺ نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا کہ ''میں تمہیں بتادوں کہ سب سے بڑا صدقہ (یا فرمایا بڑے صدقوں میں سے ایک) کیا ہے، انھوں نے عرض کیا، ضرور بتایئے، یا رسول اللہ، فرمایا تیری بیٹی جو (طلاق پا کر یا بیوہ ہوکر) تیری طرف پلٹ آئے، اور تیرے سوا اس کیلئے کوئی کمانے والا نہ ہو''۔ (مشکوۃ،ص۴۲۵)۔

عورت ذات زمانہ جاہلیت میں جس نازک ترین دور سے گزر رہی تھی، اس کا اثر اس گہرائی تک جا گزیں ہو چکا تھا کہ مرد عورتوں کے کسی بھی حق سے انکاری اور نا آشنا تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم عہد جاہلیت میں عورتوں کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں احکام نازل کیے، اور ان کا حق مقرر کیا۔ (بخاری و مسلم، ج۱،ص،۴۸۱)۔

ایک دوسری روایت میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے تھے، لیکن جب اسلام آیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کیا، لہٰذا ہم نے محسوس کیا کہ ہم پر عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ (بخاری، ج۲،ص،۸۵۶۹،باب الحریر للنساء)۔

قرآن مجید میں عورتوں کے نام سے ایک مستقل سورت ہے، اس سورت میں بطور خاص عورتوں کے حقوق کا ذکر ہے، اس میں نہ صرف ان کے حق وراثت کا تذکرہ ہے، بلکہ نکاح جیسے ایک مقدس، پاکیزہ اور مضبوط رشتہ کے احکام کا بھی تفصیلی ذکر ہے، ساتھ ہی ساتھ اس میں یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کا انسداد، ازواج کے درمیان عدل ومساوات، مہر کی ادائیگی، یتیموں کے مال میں بے جا اسراف کرنے کی ممانعت، مسائل رضاعت اور والدین کے حقوق کا بھی ذکر ہے، الغرض اس سورت کو اگر ان کے حقوق کے حوالے سے متن کی حیثیت حاصل ہے، تو احادیث نبویہ اس کی شرح کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کریم مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے حق میں بھی حیات طیبہ کا ضامن ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے، ''من عمل صالحا من ذکر أو انثیٰ وھو مؤمن فلنحیینہ حیوٰۃ طیّبۃ ولنجزینّھم أجرھم بأحسن ما کانوا یعملون''۔

ترجمہ: نیک عمل جو بھی کرے گا، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ صاحب ایمان ہو، تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے، اور ہم انھیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔

اس آیت کریمہ میں جس پاکیزہ زندگی کا تذکرہ ہے، وہ نہ صرف آخرت کی زندگی کو شامل ہے، بلکہ دنیا کی زندگی کو بھی محیط ہے، اس وقت دنیا کے اندر جو دوڑ دھوپ، جدوجہد اور محنتیں، راتوں کا جاگنا، کتابوں پر محنت

کرنا، پرائمری سے لیکر یونیورسٹیوں تک پڑھنا پڑھانا اور ڈگریوں سے لیس ہو جانا وغیرہ کوششیں کی جارہی ہیں، ان سب کا مشترک مقصد یہ ہے کہ انسان کو ایک اچھی زندگی حاصل ہو، مگر قرآن کریم نے ایک جامع کلمہ ارشاد فرما کر انسان کو پاکیزہ زندگی کا وعدہ فرمایا ہے، جس میں مرد وعورت دونوں کے دونوں برابر کے حقدار ہیں۔

آپ ﷺ نے دنیا والوں کو عورتوں کے حوالے سے واضح ہدایات اور تعلیمات سے نوازا، آپ ﷺ خود بھی قرآن کریم کی آیت ''وعاشروھنّ بالمعروف '' کا مصداق کامل تھے، آپؐ نے اس آیت کی تشریح اپنے اقوال اور افعال سے فرمائی، آپؐ کا ارشاد ہے، ''خیر کم خیر کم لأھلہ وانا خیر لأھلہ ''.(ابن ماجہ، کتاب النکاح ،ص ۱۴۲)۔ ترجمہ: تم میں سے سب سے بہترین وہ لوگ ہیں، جو اپنی خواتین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں، اور میں تم میں اپنی خواتین کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہوں۔

قرآن کریم نے ان کے حقوق کے حوالے سے اعلانا کہا، ''ولھنّ مثل الذی علیھنّ بالمعروف '' عورتوں کا بھی مرد پر حق ہے جیسا کہ دستور کے مطابق مردوں کا عورتوں پر حق ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ حقوق کے اعتبار سے مرد وعورت دونوں کا درجہ برابر سرابر ہے، اگر عورتوں پر مردوں کے حقوق لازم ہیں، تو مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق واجب ہیں، اگر مرد حضرات کی خواہش ہے کہ عورتیں ان کے حقوق ادا کریں، تو ان کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ ان کے حقوق کا پاس کریں۔ دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں نوع انسانی کے اعتبار سے مرد کو اگر معاملات کے باب میں خرید وفروخت، رہن وہبہ، اجرت وشفعہ، جدل وصلح، وراثت ونکاح وغیرہ حقوق حاصل ہیں، تو عورت کو بھی اسی نوع میں سے ایک نوع ہونے کی حیثیت سے وہی حقوق حاصل ہیں، مرد کو اگر طلاق کا اختیار دیا گیا ہے، تو صنف نازک کو بھی خیار بلوغ، خیار فسخ وغیرہ کے اختیارات دیکر اس کے حقوق کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔

گویا مالی، قانونی، اخلاقی اور معاشرتی حقوق جیسے مردوں کو دیئے گئے ہیں، عورتوں کو بھی دیئے گئے ہیں، البتہ دونوں کے جسمانی ساخت کو مدنظر رکھتے ہوئے دونوں طرف سے حقوق میں کمی بیشی کے تفاوت کا پایا جانا فطرت کے عین مطابق ہے، گھر سے باہر کی دوڑ دھوپ اور ضروریات زندگی کی فراہمی اگر مرد کا دائرہ کار ہے، تو عورت کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری میں رہ کر گھریلو ذمہ داریوں میں بھرپور دلچسپی لینے، اپنی انتظامی صلاحیت، حکمت اور سلیقہ سے گھر کو جنت نشاں بنا کر اپنی عافیت کو سنوارنے کو بتایا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے، ''وقرن فی بیوتکن '' اور اپنے گھروں میں چین سے بیٹھی رہو۔

حضرت مولانا محمد یوسف اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں کہ ''عورت کی فطری اور طبعی ذمہ داری گھر کی دیکھ بھال اور انتظام ہے، اور مختلف حیثیتوں سے اس کی تمام تر سرگرمیاں گھر ہی کیلئے وقف ہیں، شادی سے پہلے وہ ایک لڑکی ہے، جس کی

ساری دوڑ دھوپ اپنے اس مستقبل کی تیاری کیلئے ہے، جب وہ کسی گھر کی رونق بنے گی، اور ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالے گی، اور اس طرح وہ ان گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے گی، جو اس کی فطری اور حقیقی ذمہ داری ہے''۔ (اسلامی معاشرہ ص ۱۸۳)

عورت کی فطرت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اس کا میدان کار گھر کی چار دیواری رہے، اسلام نے اس کو گھر کی ذمہ داری سونپی ہے، گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی تربیت اور نگرانی ہی اس کا وظیفہ عمل ہے، جب کہ روزی کی دوڑ دھوپ، ملک کی حفاظت، حکمرانی اور دوسری ذمہ داریاں مرد سے متعلق ہیں، چوں کہ عورت کی بہ نسبت مرد پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لئے اس کے مقابلے میں مرد کو یک گونہ فضیلت حاصل ہے، جس کی ایک وجہ یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ مرد کھانے، کپڑے اور دوسری ضروریات زندگی فراہم کرتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے، **''الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما أنفقوا من أموالهم''** (النساء ر ۳۴)۔

ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے، اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال ان پر خرچ کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں مرد کے تعلق سے دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، اول یہ کہ مرد قوام ہیں، دوئم یہ کہ مرد کو عورت پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔ علماء کرام کی تشریح کے مطابق قوام یا قیم اس شخص کو کہتے ہیں، جو کچھ افراد کی دیکھ بھال پر مقرر ہو، یا کسی ادارے کے نظم کو ٹھیک ٹھاک چلانے اور اس کی حفاظت اور نگرانی کا ذمہ دار ہو۔

چوں کہ خاندان بھی ایک ادارہ ہے، جس میں کئی افراد ایک ساتھ، شوہر، بیوی اور مذکر و مؤنث اولاد کی شکل میں زندگی بسر کرتے ہیں، اس خاندان کے نظام کو بحسن خوبی چلانے کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے، وہی اس کا محافظ اور نگہباں ہوتا ہے، گھر کی تمام ضروریات زندگی بہم پہنچانا اس کا اول ترین فرض ہے، تا کہ گھر کا یہ ادارہ پورے سکون واطمینان کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے۔

علامہ ابن کثیرؒ مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت رقمطراز ہیں کہ ''مرد عورت کا حاکم، رئیس اور سردار ہے، اسے درست اور ٹھیک ٹھاک رکھنے والا ہے، اس لئے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں میں رہی، اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے، جو اپنے والی عورت کو بنائیں''۔ (پارہ ۵، ص ۲۱، سورہ نساء)۔

قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں مرد کو اگر چہ عورت پر حاکمیت اور آمریت حاصل ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے محض آمریت اور استبداد کی حکومت حاصل ہے، بلکہ یہ حاکم بھی قانون شرع اور مشورہ کا پابند ہے، اس کو اپنی رفیق حیات کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہے، **''وعاشروهن بالمعروف''** یعنی عورتوں کے ساتھ معروف طریقہ پر اچھا سلوک کرو۔

قرآن کریم اور تعلیمات نبوی میں اس بات کو واضح اور صاف اسلوب میں بیان کیا گیا ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا، ان کے ساتھ احسان کی روش اختیار کرنا، ان کو اچھی تعلیم اور اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا، ان کے حقوق کی حفاظت کرنا، اور اگر کئی بیویاں ہیں، تو ان میں برابری کا سلوک کرنا، مرد کی نہ صرف اخلاقی ذمہ داری ہیں بلکہ دینی تعلیمات کا بھی تقاضا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر جناب رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کے حقوق کے حوالے سے مرد حضرات کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا، ''لوگو سنو، عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ، کیوں کہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں، تمہیں ان کے ساتھ سختی کرنے کا کوئی حق نہیں، سوائے اس صورت کے کہ جب ان کی طرف سے کھلی ہوئی نافرمانی سامنے آئے، اگر وہ ایسا کر بیٹھیں، تو پھر خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو، اور انھیں مارو بھی لیکن ایسی مار ہو کہ کوئی شدید چوٹ نہ آئے، پھر اگر وہ تمہارا کہنا کرنے لگیں، تو ان کو خواہ مخواہ ستانے کی راہیں نہ ڈھونڈو، سنو، تمہارے کچھ حقوق تمہاری بیویوں پر ہیں، اور تمہاری بیویوں کے کچھ حقوق تم پر ہیں، ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو ان لوگوں سے نہ روندوائیں، جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو ہرگز نہ گھسنے نہ دیں، جن کا آنا تمہیں ناگوار ہو، اور سنو، ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انھیں اچھا کھلاؤ، اچھا پہناؤ''۔ (ترمذی، ص۱۳۹، ج۱، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا)۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ کوئی صاحب ایمان مرد اپنی مؤمنہ بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر اس کی کوئی عادت اسے ناپسند ہے، تو ہوسکتا ہے کہ دوسری خصلت اسے پسند آجائے (مسلم، ص۴۷۵، ج۱، باب الوصیۃ بالنساء)

ویسے کون سا مرد ایسا ہوگا، جس کی یہ خواہش نہ ہو کہ اس کی شریک حیات اپنی شکل وصورت، سلیقہ وہنر، اخلاق واطوار، سیرت وکردار میں بے عیب نہ ہو، لیکن یہ ناممکن ہے کہ ہر شخص کو ایسی بیوی مل جائے، جو ہر عیب سے پاک ہو، اور اس کی ذہنی تصویر کے بالکل مطابق ہو، ممکن ہے کہ ایک عورت اپنی شکل وصورت میں ممتاز نہ ہو، لیکن اپنے ہنر اور سلیقہ میں بے نظیر ہو، یا وہ حسن وجمال کی حسین پیکر ہو، لیکن سیرت وکردار اور اخلاقی لحاظ سے کوئی مقام نہ رکھتی ہو، اس لئے یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیئے کہ جس طرح سارے مرد ہر پہلو سے بے عیب نہیں ہوتے، ایسے ہی عورتیں بھی ہر لحاظ سے بے عیب نہیں ہوتیں۔

ایسی صورت حال میں جناب رسول اکرم ﷺ نے ہر صاحب ایمان مرد کو ایمان افروز ہدایات سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی بیوی کے ساتھ بہر طور اچھے برتاؤ کی زندگی گزارے، کسی ایک یا چند برائیوں کی وجہ سے اس کی طرف سے دل برا نہ کرے، اگر اس میں کچھ عیب ہوں، تو ان کی وجہ سے اس کو حقیر نہ سمجھے، اس سے نفرت نہ کرے، بلکہ اس کو دلسوزی اور محبت کے ساتھ سمجھائے، حکمت کے ساتھ تربیت کرے، نرمی سے پیش آئے، خوشگوار

زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے عیوب سے صرف نظر کرے، اور اس کی بھلائیوں پر نگاہ رکھے۔

دختر کشی کی وہ قدیم رسم اگر چہ ختم ہو چکی ہے، لیکن ہمارے آج کے جدید دور میں، جو علم وتحقیق اور اکتشاف سے تعبیر ہے، اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب سائنٹفک طریقہ پر برابر ہو رہا ہے، اس میں کوئی دورائے نہیں کہ جدید دور میں سائنسی ترقی نے بہت سے ایسے آلات اور مشینوں کو وجود بخشا ہے، جن کے ذریعہ سے ایسی چیزوں کا پتہ لگایا جاتا ہے، جو نصف صدی قبل ممکن نہ تھا، ان ہی میں سے ایک "سونو گرافی مشین" ہے، جس کے ذریعہ سے جنین (پیٹ میں موجود بچہ) کی جنس معلوم کی جاتی ہے، چنانچہ چند سو روپے خرچ کر کے Sex Dermination Test کرایا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحم مادر میں لڑکا ہے کہ لڑکی۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رقمطراز ہیں کہ "ایک معمولی اندازے کے مطابق اس ٹسٹ پر مبنی اطلاعات کی روشنی میں روزانہ پانچ یا چھ سو لڑکیاں اس عالم رنگ و بو میں آنے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہیں، یہ قتل دشمنوں اور غیر سماجی عناصر یا غنڈوں کے ذریعہ نہیں ہوتا، بلکہ شفیق باپ اور ممتا سے معمور ماں کے ہاتھوں ہوتا ہے"۔ (شمع فروزاں، ص ۱۹۷)۔

لیکن یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ دختر کشی کی اس جدید جاہلیت کا مجرم محض والدین کو نہیں گردانا جاسکتا، یہ قطعی طور پر ناانصافی ہوگی، کیوں کہ اس جدید جاہلیت کا پورا سماج اجتماعی طور پر مجرم ہے، سماج میں ان عناصر کی کمی نہیں، جنہوں نے نکاح کے مقدس اور پاکیزہ رشتہ کی، بازاروں میں فروخت ہونے والے سامانوں کی طرح قیمت لگا رکھی ہے، سماج کے ان دشمن عناصر کو حرص وطمع نے سیم وزر کا ایسا دلدادہ بنا دیا ہے کہ انہیں نکاح جیسے مقدس رشتہ میں ملنے والا جہیز ہی سب کچھ نظر آنے لگا ہے۔

ان سماج دشمن عناصر کی وجہ سے نہ معلوم کتنی بالغ لڑکیاں بن بیاہی کے اپنے والدین کے لئے باعث کلفت بنی ہوئی ہیں، جن کی شادی کے لئے نہ ان کے پاس اتنا زر ہے کہ وہ ان کی شادی کی تقریب انجام دے سکیں، اور نہ ہی ان کے پاس اپنی بیٹیوں کو جہیز میں دینے کے لئے وہ ساز وسامان ہیں، جس کو ان سماج دشمن عناصر نے اپنی کرتوتوں کے سبب ان کے لئے باعث وبال جان بنا دیا ہے۔

لہٰذا ضرورت ہے کہ معاشرے کے دردمند اور حساس حضرات آگے آئیں، اور معاشرے میں اس حوالے سے پنپ رہی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم کریں، تاکہ کل قیامت کے دن اللہ کے حضور میں دامن گھسیٹ کر پکڑے جانے کی شرمندگی سے بچا جائے۔